حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عہدِ نبوی کی سواریاں اور مقابلے

احکام و مسائل

——— سید جلال الدین عمری

سواری بعض اوقات انسان کی حقیقی اور بنیادی ضرورت ہوتی ہے۔ سماجی، معاشرتی اور معاشی تقاضے بھی اس کا مطالبہ کرتے ہیں، سیر و تفریح اور گلگشت کا فائدہ بھی اس سے اٹھایا جاتا ہے۔ زندگی جس تیز رفتاری کا مطالبہ کرتی ہے، سواری سے اس کے پورا کرنے میں مدد ملتی ہے۔

سواری کو اسلام نے ایک ضرورت کی حیثیت سے دیکھا ہے، اس کے استعمال کو نہ تو تن آسانی اور عیش کوشی کا ذریعہ بنایا اور نہ اسے دین داری اور تقویٰ ہی کے خلاف سمجھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔ آپ کے استعمال میں وقت کی مروجہ سواریاں رہی ہیں۔ امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے، اونٹ، خچر اور گدھے پر سواری کی ہے۔ گھوڑے پر کبھی زین ہوتی اور کبھی نہیں ہوتی تھی۔ بعض اوقات مقابلہ بھی کرایا ہے۔ زیادہ تر تنہا سواری کی ہے۔ اونٹ پر کبھی کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھایا ہے۔ اونٹ پر آپ کے پیچھے کبھی کوئی مرد بیٹھا ہے اور کبھی ازواج مطہرات میں سے کسی کو بٹھایا ہے۔ آپ کی زیادہ تر سواریاں گھوڑے اور اونٹ ہی تھے۔ خچر عرب میں مشہور نہیں تھے۔[1]

امام ابن قیمؒ نے ایک جگہ ان جانوروں کا ذکر کیا ہے جو (مختلف اوقات میں) آپ کے پاس تھے۔ ان میں دس گھوڑے وہ ہیں جن کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے۔ ان کے علاوہ پندرہ ایسے گھوڑوں کا بھی ذکر ملتا ہے جن کے سلسلے میں علماء میں اختلاف پایا

---

[1] زاد المعاد فی ہدی خیر العباد: ۱/۱۵۹ تحقیق شعیب الارنووط۔ عبدالقادر الارنووط طبع بیروت ۱۹۸۰ء

جاتا ہے۔ چار یا پانچ خچروں اور تین گدھوں کا بھی تذکرہ پایا جاتا ہے۔ یہ بالعموم مختلف بادشاہوں اور سربراہوں کی طرف سے تحفہ میں ملے تھے۔ اونٹوں میں چار کا ذکر ہے۔ آپ کے پاس دودھ والی اونٹنیاں پینتالیس ۴۵ اور سو ۱۰۰ بھیڑیں تھیں۔ جب کوئی بھیڑ بچہ دیتی تو آپ اس کی جگہ ایک بھیڑ ذبح فرما دیتے۔ سات بکریاں بھی تھیں جنھیں ام ایمن چرایا کرتی تھیں۔[1]

اہلِ عرب کو گھوڑوں سے خاص دلچسپی تھی۔ یہ ان کی ایک محبوب سواری تھی۔ لیکن دنیا کی ہر سواری غلط اور صحیح اور پاک اور ناپاک دونوں ہی طرح کے مقاصد کے لیے استعمال ہو سکتی ہے۔ عرب میں گھوڑے کا زیادہ تر استعمال جنگ و جدل، قتل و غارت گری جیسے مذموم مقاصد کے لیے ہوتا تھا۔ اسلام نے اسے صحیح رخ عطا کیا۔ اسی کو یہاں کسی قدر تفصیل سے پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ سورۂ نحل کی ایک آیت ہے:۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ	اس نے گھوڑے، خچر اور گدھے
لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ	پیدا کیے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور ان میں
مَا لَا تَعْلَمُونَ ○	زینت بھی ہے۔ وہ بہت سی وہ چیزیں
(النحل : ۸)	بھی پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے۔

اس میں، گھوڑے اور اسی نوع کے بعض دوسرے جانوروں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ سواری کے کام آتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ گھوڑا ایک نفیس اور عمدہ سواری ہے۔ قدیم زمانہ میں جب کہ دور دراز کے سفر جانوروں پر طے ہوتے تھے، گھوڑا ایک سبک خرام اور تیز رفتار سواری تھی۔

دوسری بات آیت میں یہ کہی گئی ہے کہ قدرت نے سواری کے لیے جو جانور پیدا کیے ہیں ان میں انسان کے ذوقِ جمال کی تسکین کا سامان بھی ہے۔

علامہ سید شریف جرجانی کہتے ہیں کہ قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانور اصلاً سواری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ ان کے اندر حسن و جمال کا ہونا ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔[2]

---

[1] ملاحظہ ہو زاد المعاد: ۱/۱۳۳-۱۳۵

[2] حاشیہ الجرجانی علی الکشاف: ۲/۴۰۲ طبع مصر

گویا ان جانوروں کا حسن و جمال ایک ضمنی چیز ہے۔ لیکن علامہ سید قطب شہیدؒ نے آیت کے ذیل میں اس بات کو نمایاں کیا ہے کہ اسلام نے انسان کے ذوقِ جمال کو اہمیت دی ہے۔ اسی وجہ سے وہ سواری کے جانوروں کا صرف اس حیثیت سے ذکر نہیں کرتا کہ ان سے اس کی ضروریات پوری ہوتی ہیں بلکہ اس پہلو سے بھی ذکر کرتا ہے کہ ان سے اس کے ذوقِ جمال کی تسکین ہوتی ہے[۱]۔

حقیقت یہ ہے کہ حیوانات کا بھی ایک حسن ہے۔ اس سے دنیا کی آرائش و زیبائش میں اضافہ ہوتا ہے۔ انسان کو اس سے لطف اندوز ہونے کا حق ہے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو گھوڑا بہت ہی خوبصورت جانور ہے۔ حسین اور دلکش جانوروں میں بھی نمایاں مقام رکھتا ہے۔ اس سے انسان کے ذوقِ جمال کو راحت پہونچتی ہے۔

انسان نے اپنی قوت، شان و شوکت اور فخر و غرور کے مظاہرہ کے لیے بھی گھوڑے رکھے ہیں۔ قرآن مجید نے ایک جگہ کہا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں عورت، اولاد، سونا چاندی اور سدھائے ہوئے گھوڑے اس قدر خوش نما بنا دئے گئے ہیں کہ انسان ان میں گم ہو کر آخرت کو بھول جاتا ہے۔ (آل عمران: ۱۴)

دنیا دار بادشاہوں، رئیسوں اور جاگیرداروں کی پوری تاریخ قرآن کے اس بیان کی تائید اور تصدیق کرتی ہے۔

گھوڑے کی افادیت کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ وہ جنگ کا ہتھیار ہے۔ قدیم زمانہ میں جنگی مہمات اس کے ذریعہ نسبتاً آسانی سے طے ہوتی تھیں اور اس کی تیزی، پھرتی اور جذبۂ اقدام سے میدان جنگ میں بڑا کام لیا جاتا تھا۔ جس کے پاس گھوڑا ہوتا اس کی جنگی کارکردگی بہتر ہو جاتی اور وہ اچھی طرح دشمن کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ قرآن مجید نے جنگی تیاری کے سلسلہ میں سدھائے ہوئے گھوڑے فراہم کرنے کا بھی حکم دیا ہے (الانفال: ۶۰)

گھوڑا بالعموم جن مقاصد کے لیے رکھا جاتا ہے ایک حدیث میں ان کا ذکر ہے اور ساتھ ہی ان میں سے صحیح اور اعلیٰ مقصد کی نشاندہی کی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی

---

[۱] فی ظلال القرآن جز، ۱۴ ص ۷۴

ایک لمبی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑا تین مقاصد کے تحت رکھا جاتا ہے۔ ان کے لحاظ سے یہ کسی کے لیے باعث اجر و ثواب ہے، کسی کے لیے پردہ پوشی اور کسی کے لیے گناہ کا موجب ہے۔ یہ اس شخص کے لیے اجر و ثواب کا ذریعہ ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لیے رکھے اور اسی کے لیے اسے تیار کرے۔ وہ اسے چراگاہ میں باندھے اور جتنی لمبی رسّی ہے اس دائرہ میں وہ چرتا چگتا رہے، یا رسی توڑ کر کلیلیں مارے یا کسی نہر کا پانی پئے، چاہے اس کے مالک کا اسے پانی پلانے کا ارادہ نہ ہو۔ یہ سب اس شخص کے لیے باعث ثواب ہے حتیٰ کہ گھوڑے کا لید اور پیشاب کرنا بھی اس کی نیکیوں میں شمار ہوگا۔ گھوڑا اس شخص کے لیے پردہ پوشی ہے جو اسے دوسروں کی خدمت اور اپنی زیب و زینت کے لیے رکھے، جو سواری کے معاملے میں دوسروں کا دست نگر نہ رہنا چاہتا ہو اور جو اس کی نسل بڑھا کر اپنی معاشی ضروریات پوری کرنی چاہے، اس سلسلہ میں اللہ کے حقوق بھی ادا کرے اور جانور کا جو حق ہے اسے بھی فراموش نہ کرے۔ اس کے برخلاف جو شخص اسے محض نام و نمود اور فخر و مباہات کے لیے رکھے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کرے تو وہ اس کے لیے گناہ کا باعث ہوگا۔[1]

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گھوڑا فخر و غرور کے مظاہرہ، باطل کے فروغ اور دین اور اہل دین کو نقصان پہونچانے کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ یہ اس کا غلط مقصد ہے۔ معاشی نقطۂ نظر سے اس کا پالنا اور سواری کے طور پر استعمال کرنا ایک جائز مقصد ہے، لیکن بلند تر اور پاکیزہ تر مقصد یہ ہے کہ اس سے دین کے فروغ اور اس کی سربلندی کی راہ میں فائدہ اٹھایا جائے۔ اس کے اجر و ثواب کا ذکر بہت سی روایات میں ملتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے۔

من احتبس فرسا فی	جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس
سبیل اللہ ایمانا باللہ و	کے وعدۂ ثواب پر یقین رکھتے ہوئے اس
تصدیقا بوعدہ فان	کے راستہ میں گھوڑا رکھے تو اس کا چارہ

---

[1] بخاری، کتاب الجہاد، باب الخیل ثلاثۃ۔ کتاب الشروط والمساقاۃ، باب شرب الناس والدواب من الانہار۔ مسلم کتاب الزکوٰۃ۔ بعض تفصیلات مسند احمد کی روایت سے لی گئی ہیں۔ ملاحظہ ہو، نیل الاوطار: ۸/۲۴۳

شبعه وريّه و روثه وبوله	سے پیٹ بھرنا، پانی سے سیراب ہونا، اس
فی میزانه یوم القیامة[1]	کا پیشاب اور پاخانہ کرنا اس سب کا ثواب
	قیامت کے دن اس کی میزان میں تولا
	جائے گا۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اس اعلیٰ وارفع مقصد کے لیے گھوڑے کے چارہ اور دانہ پانی پر جو پیسہ خرچ ہوتا ہے وہ صدقہ ہے، اور آدمی جب تک خرچ کر رہا ہے وہ مسلسل اس کی طرف سے صدقہ شمار ہوگا اور اللہ کے ہاں صدقہ ہی کا اجر وثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ ارشاد ہے۔

ان المنفق علی الخیل	اللہ کے راستہ میں گھوڑے پر خرچ
فی سبیل اللہ کباسط یدیه	کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو صدقہ
بالصدقة لایقبضها[2]	وخیرات کے لیے اپنے ہاتھ کھول دے
	اور انھیں بند نہ کرے۔

ایک اور حدیث میں صحیح مقصد سے گھوڑا رکھنے کے اجر وثواب کے ساتھ غلط مقصد کے تحت گھوڑا رکھنے کا گناہ بھی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اسماء بنت زیدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الخیل فی نواصیها الخیر	گھوڑے کی پیشانی سے ہمیشہ کے
معقود ابدا الی یوم القیامة	لیے قیامت تک خیر وابستہ ہے۔ جس
فمن ربطها عدة فی سبیل	نے گھوڑا اس لیے رکھا کہ راہ خدا میں
اللہ وانفق علیها احتسابا فی	اسے تیار کرے اور اس راہ کا اجر وثواب
سبیل اللہ فان شبعها و	حاصل کرنے کے لیے اس پر خرچ کرے تو اس کا پیٹ
جوعها وریها وظمأها وارواثها	بھرنا، بھوکا رہنا، سیراب ہونا اور پیاسا رہنا (یہاں
وابوالها فلاح فی موازینه یوم	تک کہ) اس کا پیشاب یا خانہ کرنا سب

[1] بخاری، کتاب الجہاد، باب من احتبس فرسا فی سبیل اللہ

[2] مسند احمد: ۴/۱۸۰۔ ابوداؤد، کتاب اللباس، باب ما جاء فی اسبال الازار

القیامۃ ومن ربطہا ریاء	قیامت کے روز اس کی میزان میں فلاح کا سامان
وسمعۃ وفرحا ومرحا	ہوگا۔ اس کے برخلاف جس نے نام ونمود
فان شبعہا وجوعہا وریہا	اور شہرت کی خاطر اور اترانے اور فخر کرنے
وظمأھا وارواثہا وابوالہا	کے لیے گھوڑا رکھا تو اس کا پیٹ بھرنا اور
خسران فی موازینہ یوم	بھوکا رہنا، سیراب ہونا اور پیاسا رہنا (یہاں
القیامۃ [1]	تک کہ) اس کا پیشاب پاخانہ یہ سب کچھ قیامت
	کے روز اس کی میزان میں خسران کا موجب ہوگا۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھوڑے سے بڑی محبت تھی۔ آپ اسے بہت عزیز رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں:۔

لم یکن شیی احب	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	عورتوں کے بعد گھوڑے سے زیادہ
بعد النساء من الخیل [2]	کوئی چیز محبوب نہ تھی۔

آپ کو عورتوں سے غیر معمولی محبت اور ہمدردی تھی۔ نوع انسانی کی پوری تاریخ میں آپ ان کے سب سے بڑے ہمدرد اور بہی خواہ رہے ہیں۔ اس کم زور طبقہ پر سب سے زیادہ آپ ہی کا احسان ہے۔ جانوروں میں گھوڑا آپ کو زیادہ عزیز تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کی سربلندی اور جہاد کے میدان میں اس کی افادیت دوسرے جانوروں سے زیادہ ہے۔ اس مقصد کے لیے گھوڑے سے آپ کی دل چسپی حضرت جریر بن عبداللہؓ کی روایت سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے کی پیشانی (کے بال) کو بل دے رہے تھے اور فرما رہے تھے:۔

الخیل معقود بنواصیہا	گھوڑے کی پیشانی میں روز قیامت
الخیر الی یوم القیامۃ الاجر	تک کے لیے خیر رکھ دیا گیا ہے۔ یعنی اجر
والغنیمۃ [3]	وثواب اور غنیمت۔

---

[1] مسند احمد: ۶/ ۴۵۵ [2] نسائی: کتاب الخیل، باب حب الخیل

[3] مسلم، کتاب الامارہ، باب فضیلۃ الخیل۔ آپ کے الفاظ "الخیل معقود الخ" بخاری میں متعدد راویوں =

یہ بات جہاد کے سیاق میں کہی گئی ہے۔ جہاد خدا کے دین کی حفاظت، اور اس کی سربلندی کے لیے ہوتا ہے۔ اس پاکیزہ اور اعلیٰ واشرف نصب العین کے لیے جو شخص گھوڑا لے کر میدان میں آئے مال غنیمت میں اس کا حصہ پیادہ لڑنے والے کے مقابلہ میں دوچند یا سہ چند رکھا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے۔

ان رسول اللّٰہ جعل للفرس سھمین ولصاحبہ سھما[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے کے دو حصے اور گھڑسوار کا ایک حصہ رکھا۔

= سے منقول ہیں۔ ملاحظہ ہو، کتاب الجہاد، باب الخیل معقود فی نواصیہا الخیر اور بعض دوسرے ابواب۔ یہ روایت حدیث کی کتابوں میں الفاظ کے فرق کے ساتھ بیس کے قریب صحابہ سے آئی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ فتح الباری: ۶/ ۵۶ - ۵۷

[۱] بخاری، کتاب الجہاد، باب سہام الفرس۔ مسلم کے الفاظ میں تھوڑا سا فرق ہے۔ کتاب الجہاد، باب کیفیۃ قسمۃ الغانمین الخ اس حدیث میں صراحت ہے کہ گھڑسوار کے تین حصے ہوں گے۔ ایک حصہ اس کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔ یہی جمہور کا مسلک ہے۔ اس کی تائید متعدد صحیح روایات سے ہوتی ہے۔ فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ گھڑسوار کے دو حصے ہوں گے۔ ایک گھڑسوار کا دوسرا اس کے گھوڑے کا۔ اس کی تائید میں بھی بعض روایات موجود ہیں۔ لیکن یہ کم زور ہیں۔ ان دونوں طرح کی روایات کے درمیان بعض لوگوں نے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔ کہ ہوسکتا ہے کہ گھڑسوار کے دو ہی حصے ہوں تیسرا حصہ بطور انعام الگ سے دیا گیا ہو۔ لیکن محدثین نے صحیح روایات کے مقابلہ میں کم زور روایات کو قبول نہیں کیا ہے۔ احناف کی طرف سے ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ انسان سے زیادہ اس کے جانور کے حصے مقرر کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مال غنیمت میں جو حصے بھی دئے جاتے ہیں وہ جانور کو نہیں اس کے مالک کو دئے جاتے ہیں، اس لیے جانور اور انسان کا مقابلہ درست نہیں ہے۔ گھڑسوار کے زیادہ حصے مقرر کرنے کی دو وجہیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ گھوڑے پر آدمی کو اپنا پیسہ اور محنت صرف کرنی پڑتی ہے۔ دوسرے میدانِ جنگ میں اس کی کارکردگی پیادہ کے مقابلہ میں بہتر ہوتی ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گھڑسوار کے حصے تین سے بھی زیادہ ہیں لیکن محدثین نے ان روایات پر بھی جرح کی ہے۔ اس سلسلہ کی روایات اور ان پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو نووی: شرح مسلم جز۱۲/ ۸۳۔ المغنی ۸/ ۴۰۴ - ۴۰۸۔ فتح الباری: ۶/ ۶۸۔ نیل الاوطار: ۸/ ۱۱۸ - ۱۱۶

جو گھوڑے اسلامی ریاست کی ملکیت تھے، ظاہر ہے وہ جہاد کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ نقیع کی چراگاہ ان کے لیے مخصوص تھی جہاں عام لوگ اپنے جانور نہیں چرا سکتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حمی النقیع للخیل[1]	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نقیع کو اپنے (مسلمانوں کے) گھوڑوں کے لیے محفوظ فرما دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھڑسواری کا شوق پیدا کرنے کے لیے اس کے مقابلے بھی کرائے ہیں۔ فقہاء نے آپ کی تعلیمات کی روشنی میں اس کے اصول و آداب متعین کیے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبق بین الخیل وفضل القرح فی الغایۃ[2]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کے درمیان مسابقت (دوڑ کا مقابلہ) کرائی اور جو گھوڑے پانچویں سال میں (پختہ عمر کو) پہونچ چکے تھے ان کا فاصلہ زیادہ رکھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی کی ایک اور روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یضمر الخیل یسابق بہا[3]	نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑوں کو چھریرا کرتے اور ان کے ذریعہ مسابقت کراتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس طرح کے ایک مقابلہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھڑ دوڑ کرائی۔ جن گھوڑوں کو چھریرا بنایا گیا تھا ان کے لیے دوڑ کی حد حفیاء سے ثنیۃ الوداع تک رکھی۔ راوی حدیث موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ ان دونوں مقامات کے درمیان کا فاصلہ چھ سات میل کا تھا جن گھوڑوں کو چھریرا نہیں کیا گیا تھا ان کے لیے

---

[1] مسند احمد: ۸/۴۰ حدیث نمبر ۵۶۵۵ اور اس سے متعلق محقق احمد محمد شاکر کا حاشیہ۔

[2] ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب السبق۔ مسند احمد: ۹/۱۸۰ حدیث نمبر ۶۴۶۶

[3] ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب السبق۔ گھوڑے کو چھریرا کرنے کے لیے احادیث میں 'تضمیر' کا لفظ آیا ہے۔

دوڑ کی حد ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک رکھی گئی۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ اس کا فاصلہ ایک میل یا اس کے قریب تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس میں شرکت فرمائی تھی اور مقابلہ جیتا تھا۔ ان کا گھوڑا منتہیٰ حد کو پار کر گیا اور دیوار پھاند کر مسجد میں پہونچ گیا۔[۱]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گھڑ دوڑ کا مقابلہ جائز ہے۔ یہ ایسی پسندیدہ ورزش ہے جس سے جنگی مقاصد پورے ہوتے ہیں اور اس سے وقت ضرورت فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ حالات کے لحاظ سے یہ مباح بھی ہو سکتی ہے اور مستحب بھی۔ پھر علامہ قرطبی کی رائے نقل کی ہے کہ گھوڑے اور دوسرے جانوروں پر سوار ہو کر یا پیدل دوڑ کے مقابلہ کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح تیر اندازی اور اسلحہ کے استعمال کا مقابلہ بھی جائز ہے۔ اس سے جنگ کی مشق ہوتی ہے۔[۲]

جہاں تک گھڑ دوڑ کے مقابلہ کا تعلق ہے اس کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر انعام بھی دیا جا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں:

سبّق النبی صلی اللہ	رسول اللہؐ نے گھوڑوں (گھڑ سواروں)
علیہ وسلم بین الخیل	کے درمیان دوڑ کا مقابلہ کرایا اور جو گھوڑا آگے
واعطی السابق[۳]	نکل گیا اسے انعام دیا۔

اس بات پر اتفاق ہے کہ گھڑ دوڑ میں کامیاب ہونے والے کو انعام دینا جائز ہے۔

= اس کا طریقہ یہ تھا کہ گھوڑے کو خوب دانہ اور چارہ کھلا کر موٹا اور توانا کیا جاتا۔ پھر اسے ایک تنگ کوٹھری میں رکھا جاتا اور اس پر ایک جھول ڈال دیا جاتا، تاکہ گرمی سے پسینہ بہتا رہے۔ اس دوران میں اس کی غذا کم کر دی جاتی اور ضرورت کے مطابق ہی غذا دی جاتی تاکہ فربہی ختم ہوتی چلی جائے، جسم مضبوط ہو اور وہ ہلکا پھلکا اور سبک ہو جائے۔ (بغوی: شرح السنۃ: ۳۹۱/۱۰)

بعض لوگ تضمیر کے اس عمل کے دوران میں گھوڑے کو گوشت اور دودھ بھی استعمال کراتے تھے۔ خطابی: معالم السنن ۲: ۲۵۴۔ نیز ملاحظہ ہو۔ نووی: شرح مسلم جزء ۱۳/ ۱۴ فتح الباری: ۷۲/۶

[۱] بخاری، کتاب الجہاد، باب غایۃ السباق للخیل المضمرۃ۔ مسلم، کتاب الامارۃ، باب المسابقۃ بین الخیل وتضمیرھا

[۲] فتح الباری: ۷۲/۶۔

[۳] مسند احمد: ۱۴۱/۸ حدیث نمبر ۵۶۵۶۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ انعام ریاست کے سربراہ کی طرف سے ہونا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے وہ جہاد کی تیاری میں شمار کرتے ہیں جو ظاہر ہے کہ ریاست کی ذمہ داری ہے۔ لیکن دوسرے ائمہ کے نزدیک انعام کسی بھی شخص کی طرف سے ہو سکتا ہے[1]۔ یہ بھی جائز ہے کہ مقابلہ میں شریک ہونے والا ایک شخص اپنے کامیاب ساتھی کو انعام دے اور ناکامی کی صورت میں اس سے کسی تاوان کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر دونوں کے درمیان یہ شرط ہو کہ جیتنے والا ہارنے والے کو انعام دے گا تو یہ قمار ہے اور ناجائز ہے۔ اس میں اگر تیسرے گھوڑے کو شامل کر لیا جائے تو یہ قمار نہیں رہے گا۔ اسی وجہ سے اسے 'محلّل' کہا جاتا ہے۔

محلل کے شامل ہونے کے بعد حسب ذیل صورتیں بنتی ہیں۔

۱۔ محلل دونوں گھڑسواروں سے آگے نکل جائے تو ان دونوں کی طے کردہ رقمیں بطور انعام اسے ملیں گی اور اگر وہ پیچھے رہ جائے تو اس پر کوئی تاوان نہ ہوگا۔

۲۔ دونوں گھڑسوار ایک ساتھ پہلے پہونچیں اور محلل ان کے بعد پہونچے تو کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔

۳۔ دونوں گھڑسواروں میں سے ایک سبقت لے جائے۔ دوسرا گھڑسوار اور محلل پیچھے رہ جائے تو سبقت لے جانے والے کو اپنی اور دوسرے کی کل رقم ملے گی۔

۴۔ اگر محلل اور ایک گھڑسوار ایک ساتھ ہدف تک پہونچ جائیں تو رقم دونوں کو ملے گی۔

قمار میں پیسہ لگانے والوں کے درمیان مقابلہ ہوتا ہے۔ شکست کھانے والے کی رقم کامیاب ہونے والے کو ملتی ہے۔ اس میں لازماً ایک فائدہ میں رہے گا اور ایک نقصان میں۔ محلل کے درمیان میں آنے کے بعد معاملہ کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ اب مقابلہ رقم لگانے اور نہ لگانے والوں کے درمیان ہوتا ہے۔ ان میں سے جو بھی کامیاب ہو وہ انعام کا حق دار ہوتا ہے۔

دو گھڑسواروں کے درمیان ایک سے زیادہ بھی محلل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح دو سے زیادہ گھڑسواروں کے درمیان ایک محلل بھی ہو سکتا ہے[2]۔

---

[1] ابن قدامہ: المغنی: ۸/۶۵۲ [2] بغوی: شرح السنۃ ۱۰/۳۹۶-۳۹۵۔ نیز ملاحظہ ہو۔ ابن قدامہ: المغنی: ۸/۶۵۴-۶۵۹

حضرت سعید بن مسیب حضرت ابوہریرہؓ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا :۔

من ادخل فرسا بین	جو شخص دو گھوڑوں کے درمیان تیسرا
فرسین وھو لا یومن ان	گھوڑا داخل کرے اور اسے یہ یقین نہ ہو کہ
یسبق فلیس یقمار ومن	وہ آگے نکل ہی جائے گا تو یہ قمار نہیں ہے'
ادخل فرسا بین فرسین وقد	لیکن جو شخص تیسرے گھوڑے کو درمیان
امن ان یسبق فھو قمار[1]	میں داخل کرے اور اسے اس کے آگے نکلنے کا یقین ہو تو یہ قمار ہے ۔

اس حدیث کا تعلق محلّل سے ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ مقابلہ میں شریک ہونے والے گھوڑوں اور محلل کے درمیان فرق نہیں ہونا چاہیے ۔ اگر اس بات کا پہلے سے یقین ہو کہ محلل لازماً آگے نکل جائے گا تو مسابقت بے معنی ہے ۔ اسی طرح محلّل اگر اس قدر کم زور ہو کہ اس کا پیچھے رہ جانا یقینی ہو تو اس کی شرکت اور عدم شرکت برابر ہے ۔ یہ عملاً قمار ہی کی ایک شکل ہو جائے گی ۔

محلّل سے متعلق یہ ساری بحث اس صورت میں ہے جب کہ گھڑ دوڑ میں شریک ہونے والے رقم لگائیں لیکن اگر کسی دوسرے شخص کی طرف سے انعام مقرر ہو تو یہ بحث نہیں پیدا ہوتی[2] ۔

قاضی شوکانی نے گھڑ دوڑ کے انعامی مقابلہ کے صحیح ہونے کے لیے حسب ذیل شرائط نقل کی ہیں ۔

۱۔ انعام معلوم و متعین ہو ۔ ۲ ۔ فاصلہ طے ہو کہ کہاں سے دوڑ شروع ہو گی اور کہاں ختم ہو گی ۔ ۳ ۔ گھڑ سوار متعین ہوں ۔ ۴ ۔ ان میں سے جو جیتنے والے سابق کو انعام دینا چاہیے وہ

---

[1] ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی المحلل ۔ یہ حدیث سند کے لحاظ سے کم زور ہے ۔ امام مالک نے اسے حضرت سعید بن مسیبؒ کے قول کی حیثیت سے نقل کیا ہے ۔ (مؤطا امام مالک، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی الخیل و المسابقۃ) اس کی سند صحیح ہے ۔

[2] اس موضوع کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خطابی، معالم السنن : ۲/۲۵۵ - ۲۵۶ ۔ بغوی، شرح السنۃ : ۱۰/۳۹۵-۳۹۶ ابن قدامہ، المغنی : ۸/۶۵۱ - ۶۵۹ ۔ ابن حجر، فتح الباری : ۶/۷۳

متعین ہو۔ ۵۔ دونوں میں سے ہر ایک کے آگے بڑھنے کا امکان ہو ورنہ مقابلہ بے مقصد ہوگا۔[۱]

گھڑ دوڑ میں حصہ لینے والوں کو جو شخص انعام دے وہ پہلا، دوسرا تیسرا اس طرح جتنے انعام چاہے دے سکتا ہے۔ لیکن مسابقت کو بامعنی بنانے کے لیے ان کے درمیان فرق ہونا چاہیے[۲]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ شروع ہی سے بچہ کی صحت کا خیال رکھا جائے، وہ تندرست و توانا ہو اور اس کی صحیح نشو و نما ہوتی رہے۔ اس لیے کہ جو بچہ کم زور و ناتواں ہوگا اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ آگے چل کر گھوڑے کی باگ سنبھالے گا اور کوئی جوکھم مول لے گا۔ اسی مقصد سے آپ نے 'غَیل' سے منع فرمایا۔ 'غَیل' کے معنی ہیں رضاعت کے زمانہ میں بیوی سے ہم بستری کرنا[۳]۔ ایک معنی یہ بھی بیان کیے گئے ہیں کہ حمل کے بعد بچہ کو دودھ پلانا[۴]۔

طبی لحاظ سے حمل ٹھہرنے کے بعد بچہ کو دودھ پلانا نقصان دہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ بات مشہور تھی کہ بچہ پر اس زمانے کے دودھ کے اتنے خراب اثرات پڑتے ہیں کہ بڑا ہونے پر بھی ان کا ازالہ نہیں ہوتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ گھوڑے پر جم کر بیٹھ نہیں پاتا۔ اس وجہ سے آپ نے رضاعت کے دوران ہم بستری سے منع فرمایا۔ حضرت اسماء بنت یزید بن السکن کی روایت ہے۔ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے۔

لا تقتلوا اولادکم سرًّا	(حمل کے زمانہ میں بیوی سے تعلق
فان الغیل یدرك الفارس	قائم کرکے) اپنی اولاد کو خاموشی سے (یا
فید عثره[۵]	بے خبری میں) مار مت ڈالو۔ اس لیے کہ
	(یہ غیل ہے) اور غیل کے اثرات گھڑ سوار

---

[۱] شوکانی، نیل الاوطار: ۶/۷۳	[۲] ملاحظہ ہو، المغنی لابن قدامہ: ۸/۶۵۶-۶۵۷

[۳] یہ تشریح مسند احمد کی ایک روایت میں موجود ہے۔ ۶/۴۵۷۔ نیز ملاحظہ ہو، خطابی، معالم السنن: ۴/۲۲۵

[۴] نووی، شرح مسلم: جزء ۱۰ ص۱۶

[۵] ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی الغیل۔ ابن ماجہ، ابواب النکاح، باب الغیل۔ مسند احمد: ۶/۴۵۳

کو پچھاڑ دیتے ہیں (وہ جم کر نہیں بیٹھ پاتا)

لیکن جب آپ کے علم میں یہ بات آئی کہ غیل کا وہ نقصان نہیں ہے جو بیان کیا جاتا ہے تو آپ نے اس کی اجازت دے دی۔ جدامہ بنتِ وہبؓ کہتی ہیں کہ میں چند لوگوں کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس وقت آپ کو ارشاد فرماتے سنا۔

لقد هممت ان انهى	میں نے ارادہ کیا کہ رضاعت کے
عن الغيلة فنظرت في الروم	زمانہ میں ہم بستری سے منع کر دوں۔ پھر
وفارس فاذا هم يغيلون	میں نے روم اور فارس کو دیکھا کہ حمل کے
اولادهم فلا يضر اولادهم	بعد ان کے بچوں کو دودھ پلایا جاتا ہے
ذالك شيئا[1]	اور اس سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہونچتا
	(اس لیے میں اس سے منع نہیں کر رہا ہوں)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بچوں کی صحت کی کتنی فکر تھی۔ آپ انہیں ایسے جوانوں کی شکل میں ابھرتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے جو میدانِ کارزار کے مضبوط سپاہی بن سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھڑ سواری کی جس طرح ترغیب دی اور اس کا شوق پیدا فرمایا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کم زوروں کے اندر بھی اس کا جذبہ ابھر آیا۔

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کہتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد جب کبھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنی چاہی آپ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ جوں ہی مجھے دیکھتے تبسم فرمانے لگتے۔ میں نے عرض کیا حضورؐ! میں گھوڑے پر جم کر بیٹھ نہیں پاتا۔ آپ نے دست مبارک میرے سینے پر مارا اور دعا فرمائی اللهم ثبته واجعله هاديًا مهديًا (اے اللہ انھیں گھوڑے پر جم کر بیٹھنے کی طاقت دے، انھیں ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے)[2]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں جو شخص گھوڑے پر جم کر نہ بیٹھ پائے اہلِ خیر کو اس کے حق

---

[1] مسلم، کتاب النکاح، باب جواز الغیلۃ۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح باب فی الغیل۔ مسند احمد: ۶/ ۴۳۶

[2] بخاری، کتاب الجہاد، باب من لا یثبت علی الخیل

میں اس کی دعا کرنی چاہیے۔ حدیث سے اشارۃً گھوڑے پر سوار ہونے اور اس پر مضبوطی سے بیٹھنے کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ سواری کے مقابلہ میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عضباء نام کی اونٹنی تھی۔ کوئی دوسرا اونٹ اس سے مقابلہ میں بازی نہیں لے جا سکتا تھا۔ ایک اعرابی اپنے اونٹ پر آیا۔ اور مقابلہ جیت گیا۔ اس سے مسلمانوں کو تکلیف پہونچی۔ آپ نے اسے محسوس فرمایا تو ارشاد ہوا۔

حقٌ علی اللہ ان لایرتفع	اللہ تعالیٰ کا حق (قانون) ہے کہ
شیئٌ من الدنیا الا وضعہ[۲]	دنیا کی کوئی چیز بلند ہوتی ہے تو اسے پست کر دیتا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے سواری کے لیے اونٹ رکھنے اور مسابقت یعنی دوڑ کے مقابلہ میں شرکت کا ثبوت ملتا ہے[۳]

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا سبق الا فی خف	مسابقت صرف اونٹ اور گھوڑے
اوحافر اونصل[۴]	کی دوڑ اور تیر اندازی میں ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان تین قسم کے مقابلوں کے علاوہ کوئی اور مقابلہ جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اور مقابلوں کا ثبوت احادیث میں موجود ہے۔ امام زہری، امام مالک اور حنابلہ کے نزدیک اس حدیث میں انعامی مقابلوں کا ذکر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان ہی تین قسم کے مقابلوں پر انعام دینا صحیح ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہ مقابلے

---

[۱] فتح الباری: ۶/ ۱۶۱

[۲] بخاری، کتاب الجہاد، باب ناقۃ النبیؐ

[۳] فتح الباری: ۶/ ۷۴

[۴] ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی السبق

اصلاً جہاد کی تیاری کے لیے کیے یا کرائے جاتے ہیں۔ اس میں یہی تین قسم کی سواریاں مفید ہیں۔ دوسری سواریوں سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا[1]

حدیث میں 'خف'، حافر اور 'نصل'، کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ 'خف' اونٹ کے کھر کو اور حافر گھوڑے کے سم کو کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے ہاتھی کو اونٹ پر قیاس کیا ہے، اس لیے کہ دونوں کے کھر ایک سے ہوتے ہیں۔ اسی نوع کی مماثلت کی بنیاد پر ان کے نزدیک گھوڑے کے ذیل میں گدھے اور خچر شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح 'نصل' تیر کے پھل کو کہا جاتا ہے۔ اس میں نیزہ، خنجر، چاقو اور تلوار وغیرہ آجاتے ہیں[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کے مقابلے اور ان پر انعام دینا دونوں ہی جائز ہیں۔ حدیث کے حکم کو اسلامی ریاست میں جہاد کی تیاری سے متعلق سمجھا جائے تو بھی یہ سب جانور اس کے لیے مفید ہو سکتے ہیں۔ ان سے سواری اور باربرداری کا کام لیا جا سکتا ہے۔ یہی معاملہ تیر اندازی کا ہے۔ تیر اندازی اور اس نوعیت کی دوسری مشقیں اس مقصد کے لیے سود مند ہیں۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو اس حدیث کا تعلق دورِ اول سے ہوگا۔ اس لیے کہ جنگی تقاضے ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں۔ آج کی دنیا میں جنگ کے طریقے اور اس کی تیاری کا انداز سب کچھ بدل چکا ہے۔ حدیث کی روشنی میں اسلامی ریاست موجودہ تقاضوں کو سمجھے گی اور ان کے مطابق اس کی تیاری ہوگی۔

ان مقابلوں کو بالعموم اس نقطۂ نظر سے دیکھا گیا ہے کہ ان کا تعلق جہاد کی تیاری سے ہے اس وجہ سے یہ بحث پیدا ہوئی ہے کہ ان میں سے کون سے مقابلے جہاد کے لیے مفید ہیں اور کون سے مفید نہیں ہیں اور جو مفید نہیں ہیں ان پر انعام دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ پھر یہ کہ ان کا تعلق جہاد سے ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ انھیں حکومت کی سربراہی میں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ جہاد کی تیاری، اس کی ترغیب اور اس پر انعام یہ سب حکومت کے دائرہ کار سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک رائے یہ بھی ہوگی کہ یہ سب کام انفرادی سطح پر اور آزادانہ بھی ہو سکتے ہیں دونوں صورتوں میں اس کا مطلب یہی ہوگا کہ

---

[1] ابن قدامہ: المغنی: ۸/ ۶۵۲-۶۵۳

[2] معالم السنن: ۲/ ۲۵۵۔ شرح السنۃ: ۱۰/ ۳۹۴۔ المغنی: ۸/ ۶۵۲

جو مقابلے جہاد کے لیے کار آمد نہ ہوں، ان کی ہمت افزائی نہیں ہونی چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے مقابلے پہلے سے رائج تھے۔ یہ فوجی نوعیت کے بھی تھے اور غیر فوجی نوعیت کے بھی۔ اسلام نے ان کی خامیاں اور خرابیاں دور کیں۔ جو مقابلے فوجی نوعیت کے تھے انھیں جہاد کا پاکیزہ نصب العین عطا کیا۔ جہاد ایک آزاد اسلامی مملکت میں، مخصوص شرائط کے ساتھ، خالص دینی مقاصد اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہوتا ہے۔ ان مقابلوں کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آدمی کی صحت و تندرستی برقرار رہے بلکہ اس کی قوت اور توانائی میں اضافہ ہوتا رہے۔ یہ چیز اسلام کو مطلوب ہے، اس لیے کہ صحت مند اور توانا انسان یہی نہیں کہ اپنے دنیوی مفادات کے لیے زیادہ تگ و دو کر سکتا ہے، بلکہ اس سے دین کی بہتر خدمت کی بھی توقع کی جا سکتی ہے۔ اسی وجہ سے ایسے مقابلوں یا ورزش کا بھی ثبوت ملتا ہے جن کی جہاد کے نقطۂ نظر سے تو شاید زیادہ اہمیت نہیں ہے لیکن صحت کے نقطۂ نظر سے ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ذیل میں اسی کی مثالیں پیش کی جائیں گی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ ہم دونوں نے دوڑ لگائی میں آگے نکل گئی۔ کچھ عرصہ بعد جب میں ہلکی پھلکی نہیں رہی اور بدن فربہ ہو گیا تو دوبارہ دوڑ کا مقابلہ ہوا۔ اس میں آپ بازی جیت گئے۔ فرمایا یہ پہلے مقابلہ کا بدلہ ہے[1]

علامہ شوکانی کہتے ہیں۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دوڑ میں مقابلہ کی شرعاً اجازت ہے۔ یہ عورتوں اور مردوں کے درمیان بھی ہو سکتا ہے اگر وہ محرم ہوں۔ اس طرح کا مقابلہ وقار، شرافت اور علم و فضل کے منافی نہیں ہے۔ عمروں کے فرق کے ساتھ بھی یہ ہو سکتا ہے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جب حضرت عائشہؓ سے شادی ہوئی تھی سن مبارک پچاس سے متجاوز ہو چکا تھا[2]

---

[1] ابوداؤد، کتاب الجهاد، باب في السبق على الرجل۔ مسند احمد: ۶/ ۲۶۴

[2] نیل الاوطار: ۸/ ۲۵۶

حضرت سلمہ بن اکوعؓ غزوۂ ذی قرد سے واپسی کا ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی اونٹنی پر بٹھا لیا۔ جب ہم مدینہ کے قریب پہونچے تو انصار کے ایک شخص نے، جس کا پیدل دوڑنے میں کوئی مقابلہ نہیں کر پاتا تھا بار بار مقابلہ کی دعوت دی اور کہا، ہے کوئی جو مدینہ تک دوڑ کا مقابلہ کرے؟ میں نے کہا تم کسی بزرگ کا خیال کر رہے ہو اور نہ کسی شریف کا ڈر اور خوف تمھیں ہے۔ اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا میں ہر ایک کو چیلنج کر رہا ہوں۔ میں نے آپ سے عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اجازت ہو تو میں اس کا مقابلہ کروں؟ آپ نے فرمایا جی چاہے تو مقابلہ کر سکتے ہو۔ چنانچہ حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے مقابلہ کیا اور بازی لے گئے۔[۱]

امام نووی فرماتے ہیں۔

اس حدیث میں پیدل افراد کے درمیان مقابلہ کا جواز موجود ہے۔ اگر اس پر کوئی انعام نہ رکھا جائے تو اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ انعام رکھنے کی صورت میں اختلاف ہے۔ شوافع کا صحیح قول یہ ہے کہ اس کے لیے انعام صحیح نہیں ہے۔[۲]

محمد بن رکانہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد رکانہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کُشتی کا مقابلہ کیا۔ آپ نے انھیں شکست دے دی۔[۳]

اس روایت کو امام ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے[۴]۔ لیکن بعض دوسری روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ ابوداؤد کی مراسیل میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطحاء میں تھے کہ یزید بن رکانہ یا رکانہ بن یزید آپ کے پاس آیا۔ اس کے ساتھ بکریاں بھی تھیں۔ اس نے کہا، کیا آپ مجھ سے کشتی لڑ سکتے ہیں؟ آپ نے پوچھا اگر میں جیت جاؤں تو کیا انعام دو گے؟ اس نے کہا ایک بکری۔ آپ نے کشتی لڑی اور اسے پچھاڑ دیا۔ اس نے ایک بکری دے دی۔ اس کے بعد دوبارہ مقابلہ کی دعوت دی۔ دوبارہ آپ نے اسے شکست

---

[۱] مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوۃ ذی قرد وغیرہا۔ مسند احمد: ۴/ ۵۲-۵۳

[۲] شرح مسلم: جزء ۱۲/ ۱۸۳

[۳] ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی العمائم۔ ترمذی، ابواب اللباس۔

[۴] قال الترمذی ہذا حدیث غریب واسنادہ لیس بالقائم ولا نعرف ابا الحسن العسقلانی ولا ابن رکانۃ۔

دے دی۔ اس طرح کئی مرتبہ مقابلہ ہوا اور ہر مرتبہ آپ ہی کامیاب رہے۔ اس نے کہا آج تک کسی نے مجھے شکست نہیں دی یہ آپ نہیں بلکہ کوئی اور ہی طاقت ہے جو مجھے شکست دے رہی ہے۔ پھر وہ اسلام لے آئے۔ آپ نے ان کی بکریاں انھیں لوٹا دیں۔[1]

حضرت ابورافعؓ کی روایت ہے کہ وہ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ پتھر لڑھکانے کا کھیل کھیلتے تھے۔ اس کی صورت یہ تھی کہ زمین میں ایک گڑھا کھود دیا جاتا اور پھر کچھ فاصلہ سے پتھر لڑھکائے جاتے جس کا پتھر پہلے اس میں گرجاتا وہ کامیاب سمجھا جاتا۔[2]

حضرت سعید بن مسیبؒ سے اس مقابلہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔[3]

تیراکی ایک بہترین ورزش ہے۔ آج اس کے زبردست مقابلے ہوتے ہیں۔ اس کے سیکھنے سکھانے کی ترغیب حدیث میں موجود ہے۔ نسائی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

کل شیئ لیس من ذکر	ہر وہ چیز جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو
اللہ فھو لھو ولعب الا ان	لہو ولعب ہے، سوائے چار چیزوں کے۔
یکون اربعۃ ملاعبۃ	آدمی کا اپنی بیوی سے ہنسی مذاق کرنا، اس
الرجل امرأتہ وتادیب	کا اپنے گھوڑے کو سدھانا، تیراندازی
الرجل فرسہ ومشی الرجل	کے (شروع اور آخر کے) نشانات متعین
بین الغرضین وتعلیم الرجل	کرکے ان کے درمیان چلنا اور تیراکی کی
السباحۃ [4]	تعلیم دینا۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو، جو شام کے گورنر تھے، لکھا۔

---

[1] حافظ ابن حجر فرماتے ہیں حضرت سعید بن جبیرؒ تک اس کی سند صحیح ہے البتہ سعید بن جبیر کی رکانہ سے ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے ملاحظہ ہو نیل الاوطار: ۸/۲۵۵-۲۵۶

[2] بغوی: شرح السنۃ: ۱۰/ ۳۹۴ [3] حوالہ سابق

[4] مناوی: فیض القدیر: ۵/ ۲۳

علموا غلمانکم العوم و مقاتلتکم الرمی۔	اپنے بچوں کو تیراکی کی تعلیم دو اور جو لڑنے کے قابل ہیں انھیں تیراندازی سکھاؤ۔

روایت میں آتا ہے کہ وہ لوگ نشانات متعین کرکے تیراندازی کے سلسلہ میں دوڑ لگاتے تھے[1]

یہاں جن مقابلوں کا ذکر ہے ان کے لیے پہلے سے مشق اور تیاری بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر ان میں شرکت کی ہمت نہیں کی جاسکتی۔ اگر کوئی ہمت بھی کرے تو کامیابی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

دنیا میں بہت سی تفریحات کا رواج رہا ہے۔ ان میں ترقی ہی ہوتی رہی ہے۔ آج کا جدید ذہن ان کی نت نئی شکلیں نکالنے میں مصروف ہے۔ ان کے مقابلے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اسلام نے ان سب کی کھلی اجازت نہیں دی ہے۔ بہت سے مقابلوں میں جوئے کا عنصر لازماً شامل رہتا ہے اور جوے کو قرآن مجید نے شیطانی اعمال میں شمار کیا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے (المائدہ: ۹۰) احادیث میں کبوتر بازی اور اس نوعیت کی چیزوں کی ممانعت ہے۔ خطابی کہتے ہیں:

پرندوں کا مقابلہ کرانا، کبوتر سے کھیلنا یہ اور اس نوعیت کی چیزیں جو جنگ کی تیاری میں شامل نہیں ہیں اور نہ جہاد کے سلسلہ میں ان سے تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ان پر انعام حاصل کرنا جوا ہے، جو ممنوع اور ناجائز ہے[2]

اسی طرح شطرنج، چوسر اور پچیسی جیسے کھیلوں پر اس نے پابندی لگائی ہے۔ گندی موسیقی، شہوت انگیز نغموں اور عریاں ناچ کا اس کے ہاں کوئی جواز نہیں[3] ہے۔

اسلام کی ہدایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ان تفریحات پر پابندی عائد کی ہے، جو:-

---

[1] مسند احمد مرویات عمر ۱/ ۲۹۶ حدیث نمبر ۳۲۳

[2] معالم السنن: ۲/ ۲۵۵۔ یہی بات بغوی نے بھی کہی ہے۔ شرح السنۃ: ۱۰/ ۳۹۴

[3] ان مسائل پر اسلام کے نقطۂ نظر کو سمجھنے اور بعض امور میں جس حد تک گنجائش نکلتی ہے اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو شوکانی کی نیل الاوطار: ۸/ ۲۵۷۔ ۲۷۱

۱۔ انسان کو اعلیٰ مقاصد سے پھیر کر ادنیٰ مقاصد کی طرف لے جاتی ہیں۔
۲۔ انسان کی جسمانی اور دماغی قوتوں کو نقصان پہونچاتی اور اس کی صحت پر برا اثر ڈالتی ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ محنت ومشقت اور جفاکشی کے قابل نہیں رہتا اور کمزوری سستی اور کاہلی کا شکار ہو جاتا ہے۔
۳۔ انسان کی توجہ خاندان اور معاشرہ کے پیچیدہ مسائل سے ہٹا دیتی اور اسے اپنی ذمہ داریوں سے غافل کر دیتی ہیں۔
۴۔ مال و دولت کے ضیاع کا سبب بنتی ہیں۔
جن تفریحات میں فرد اور سماج کے اتنے نقصانات پوشیدہ ہوں، کسی قیمت پر ان کی تائید نہیں کی جا سکتی اور اسلام نے نہیں کی ہے۔

سیرت و سوانح پر کتابیں

۱۔ سیرت النبی	ابن ہشام	مکمل ۲ جلدیں	۱۹۰/-
۲۔ سیرت النبی	شبلیؒ و سلیمان ندویؒ	۶ جلدیں	۳۰۱/-
۳۔ رحمۃ للعالمین	سلیمان منصورپوریؒ		۱۱۰/-
۴۔ سیرت سرور عالم	مولانا مودودیؒ	۲ جلدیں	۱۷۰/-
۵۔ الخصائص الکبریٰ		مکمل ۲ جلدیں	۱۷۵/-
۶۔ الرحیق المختوم	صفی الرحمٰن		۱۰۰/-
۷۔ امام ابوحنیفہ	محمد ابوزہرہ		۶۵/-
۸۔ حضرت ابوبکر صدیق	عبدالصبور طارق		۳۰/-
۹۔ حیات ابوبکر	علی طنطاوی		۴۰/-
۱۰۔ تذکرہ صحابیات	طالب ہاشمی		۷۰/-
۱۱۔ خیر البشر کے ہم جاں نثار	"		۳۲/-
۱۲۔ آسمان ہدایت کے ستر ستارے	"		۷۰/-

ملنے کا پتا: مکتبہ تحقیق پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱